ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم

شعر

تاروں سے چمک، بجلی سے تڑپ، بادل سے اشک فشانی لی
کچھ دیدۂ طفلِ کم سن سے ہر شے کے لیے حیرانی لی
ہجران کے دل سے سوز لیا، اور وصل سے پردۂ ساز لیا
دن کی شورش سے بے تابی اور شب سے ذوقِ راز لیا
حوروں کے شبابِ دائم سے لی دل کے لیے کچھ شادابی
عاشق کے دیدۂ طوفانی سے اشک کے قطرۂ عنابی
پھولوں سے دریدہ پیراہن، شمعوں سے روح گدازی لی
بلبل سے ترانہ سیکھا اور پروانوں سے جانبازی لی
ہلکی سی غذائے روح کبھی ٹھنڈی سی شبِ مہتاب سے لی
کچھ مستیٔ جاں پیدا میں نے آنکھوں کی شرابِ ناب سے لی
ہر شے کی زبانِ حال سے پھر کچھ قصۂ حال و قال سنا
کچھ پھول اور پھل سے بات سنی، کچھ پتوں سے احوال سنا
جذبات کا میں آئینہ ہوں، اور حکمت کا گنجینہ ہوں
جس میں تھی امانت حق نے رکھی، میں اس آدم کا سینہ ہوں
ہر جا پہ غم اور شادی میں، سائر ہوں میں ہر وادی میں
میرا ہے گذر ہر اک جا پہ، ویرانے میں، آبادی میں
میں مونس نوعِ آدم ہوں، میں خستہ جگر کا مرہم ہوں
میں پردہ نوازِ ہستی ہوں، میں محرمِ رازِ عالم ہوں
جبریل کا ہوں میں طرزِ بیاں، ہوں کاشفِ رازِ کون و مکاں

شعر

عابد کا ذوقِ عبادت بھی، دھندلی سی ہے اک تصویر مری
کیا کعبہ اور کیا بُت خانہ، کہنہ سی ہے اک تعمیر مری
تخیّل کا مَیں صورت گر ہوں، مت جان فقط آزر ہوں میں
کرتا ہوں بات اشاروں میں، سلجھا ہوا اک رہبر ہوں میں
طرزِ اظہارِ حقیقت ہوں، ظاہر میں گرچہ مجازی ہوں
جوہر ہوں سکوتِ روح کا میں، گو خارج میں آوازی ہوں
ہر شے کی بدلتی ہے صورت، آتی ہے جو میرے سائے میں
ہو عیب بدل کر خوبی گر ڈھل جائے مرے پیرائے میں
اک بحرِ ازل کی موج ہوں مَیں، آوارہ ہوں اور مستانہ ہوں
ہشیار ہوں اپنے مقصد میں، گو ظاہر میں دیوانہ ہوں
جب راز و نیاز کی خلوت ہو اس خلوت میں موجود ہوں میں
گویا دنیائے لطافت میں شیرازۂ ہست و بود ہوں میں
جس ذوق سے غنچے کھلتے ہیں جس شوق سے پتّے ہلتے ہیں
اس ذوق اور وجد سے بے کوشش بھی مجھ کو حقائق ملتے ہیں
ہستی میں نورِ عشق سے ہی ذرّہ ذرّہ تابندہ ہے
بے جان طبیعی کا ہے جہاں، اور میری دنیا زندہ ہے
پابند ہے عقل، آزاد ہوں مَیں، افسردہ ہے وہ دلشاد ہوں مَیں
دنیا ہوں خود میں اپنی، ویرانے میں بھی آباد ہوں مَیں
ہوتا نہ ظہور اگر میرا فطرت خاموش ہی رہ جاتی
انسان کی جہدِ علم و عمل بے ہودہ کوش ہی رہ جاتی
یاں ہر محسوس کے پردے میں کچھ حسنِ نامحسوس بھی ہے
شمعِ باطن کی ہے یہ ضیا، روشن گرچہ فانوس بھی ہے
اس عالم میں میرا ہے گزر جس جا پہ جلیں جبریل کے پر
عقل و احساس کی حدِ نظر ہے میرے لیے آغازِ سفر

ہر قید کو مَیں ناپید کروں، محدود کو لامحدود کروں
مَیں ہوں وہ طلسمِ خلّاقی، موہوم کو بھی موجود کروں

جو پردۂ محسوسات میں ہے وہ راگ مری ہر بات میں ہے
میں حُسن و عشق کا جوہر ہوں، بیتاب جو ہر اک ذات میں ہے

ہے نشہ نہاں جیسے مے میں، نغمہ ہے میری رگ و پے میں
ہر لفظ کو مَیں دیتا ہوں پیدا، گوہر کی طرح دل ہیں لئے میں

تارے اَن گنت فلک کے سب دانے ہیں میرے خرمن میں
ہر گل ایجاد کے گلشن کا رہتا ہے میرے دامن میں

ہر جدّت ہے ادھار تری، کیا فطرت ہے لاچار تری
فردوس ہے ہر جا نقد بیاں، ہو طبع اگر حق دار تری

ادنیٰ سا عطیہ ہے میرا جو کیف سرود و سور میں ہے
تلچھٹ بھی نہیں ساغر کی مرے، نشہ جو مئے انگور میں ہے

خلوت میں بزم سجاتا ہوں، جلوت میں اگر میں گاتا ہوں
وہ حُسن دیا حق نے مجھ کو، مَیں ہر اک رنگ میں بھاتا ہوں

وہ سحر عطا فطرت نے کیا جو زہر کو بھی تریاق کرے
انساں کا حسابِ سُود و زیاں اک لمحے میں سب بیباق کرے

جنگِ اضداد میں ہستی کی، انسان کو صبر و سکوں مجھ سے
ہے لعلِ معانی بن جاتا مژگاں پہ قطرۂ خوں مجھ سے

پابستۂ عقلِ جہاں پیما جب آب و گل میں رہتی ہے
جس شے کے لیے ہے سرگرداں وہ میرے دل میں رہتی ہے

آوازِ اَلَست کو کانوں میں انسانوں کے محفوظ کیا
ہستی میں نہیں جو، اس لذت سے جانوں کو محظوظ کیا

جس کو ہو میسّر نہ دولت، شاہوں کو ایک گدا سمجھے